مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾

چکے[1] اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے۔[2] تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ صریح گمراہی میں کون ہے؟[3] (۲۹)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾

آپ کہہ دیجئے! کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر تمہارے (پینے کا) پانی زمین میں اتر جائے تو کون ہے جو تمہارے لیے نتھرا ہوا پانی لائے؟[4] (۳۰)

سُوْرَةُ الْقَلَمِ

سورۂ قلم مکی ہے اور اس میں باون آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ﴿۱﴾

ن،[5] قسم ہے قلم کی اور[6] اس کی جو کچھ کہ وہ (فرشتے) لکھتے ہیں۔[7] (۱)

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲﴾

تو اپنے رب کے فضل سے دیوانہ نہیں ہے۔[8] (۲)

---

(۱) یعنی اس کی وحدانیت پر، اسی لیے اس کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتے۔

(۲) کسی اور پر نہیں۔ ہم اپنے تمام معاملات اسی کے سپرد کرتے ہیں، کسی اور کے نہیں۔ جیسے مشرک کرتے ہیں۔

(۳) تم ہو یا ہم؟ اس میں کافروں کے لیے سخت وعید ہے۔

(۴) غَوْرٌ کے معنی ہیں خشک ہو جانا یا اتنی گہرائی میں چلا جانا کہ وہاں سے پانی نکالنا ناممکن ہو۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ پانی خشک فرما دے کہ اس کا وجود ہی ختم ہو جائے یا اتنی گہرائی میں کر دے کہ ساری مشینیں پانی نکالنے میں ناکام ہو جائیں تو بتلاؤ! پھر کون ہے جو تمہیں جاری، صاف اور نتھرا ہوا پانی مہیا کر دے؟ یعنی کوئی نہیں ہے۔ یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ تمہاری معصیتوں کے باوجود وہ تمہیں پانی سے بھی محروم نہیں فرماتا۔

(۵) نٓ، اسی طرح حروف مقطعات میں سے ہے، جیسے اس سے قبل صٓ، قٓ اور دیگر فواتح سور گزر چکے ہیں۔

(۶) قلم کی قسم کھائی، جس کی اس لحاظ سے ایک اہمیت ہے کہ اس کے ذریعے سے تبیین و توضیح ہوتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ خاص قلم ہے جسے اللہ نے سب سے پہلے پیدا فرمایا اور اس کو تقدیر لکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس نے ابد تک ہونے والی ساری چیزیں لکھ دیں۔ (سنن ترمذی، تفسیر سورۃ نٓ والقلم وقال الألبانی صحیح)

(۷) يَسْطُرُوْنَ کا مرجع اصحاب قلم ہیں، جس پر قلم کا لفظ دلالت کرتا ہے۔ اس لیے کہ آلۂ کتابت کا ذکر کاتب کے وجود کو مستلزم ہے۔ مطلب ہے کہ اس کی بھی قسم جو لکھنے والے لکھتے ہیں، یا پھر مرجع فرشتے ہیں، جیسے ترجمہ سے واضح ہے۔

(۸) یہ جواب قسم ہے، جس میں کفار کے قول کا رد ہے، وہ آپ کو مجنون (دیوانہ) کہتے تھے۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ

وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ اور بے شک تیرے لیے بے انتہا اجر ہے۔[1] (۳)

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ اور بیشک تو بہت بڑے (عمدہ) اخلاق پر ہے۔[2] (۴)

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۝ پس اب تو بھی دیکھ لے گا اور یہ بھی دیکھ لیں گے۔[3] (۵)

بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝ کہ تم میں سے کون فتنہ میں پڑا ہوا ہے۔(۶)

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۠ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ بیشک تیرا رب اپنی راہ سے بھٹکنے والوں کو خوب جانتا ہے' اور وہ راہ یافتہ لوگوں کو بھی بخوبی جانتا ہے۔(۷)

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ پس تو جھٹلانے والوں کی نہ مان۔[4] (۸)

وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝ وہ تو چاہتے ہیں کہ تو ذرا ڈھیلا ہو تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں۔[5] (۹)

الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ﴾ (الحجر' ۶)

(۱) فریضۂ نبوت کی ادائیگی میں جتنی زیادہ تکلیفیں برداشت کیں اور دشمنوں کی باتیں تو نے سنی ہیں اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ مَنّ کے معنی قطع کرنے کے ہیں۔

(۲) خُلُقٍ عَظِيْمٍ سے مراد اسلام' دین یا قرآن ہے مطلب ہے کہ تو اس خلق پر ہے جس کا حکم اللہ نے تجھے قرآن میں یا دین اسلام میں دیا ہے۔ یا اس سے مراد وہ تہذیب و شائستگی' نرمی اور شفقت' امانت و صداقت' حلم و کرم اور دیگر اخلاقی خوبیاں ہیں' جس میں آپ نبوت سے پہلے بھی ممتاز تھے اور نبوت کے بعد ان میں مزید بلندی اور وسعت آئی۔ اسی لیے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی بابت سوال کیا گیا تو فرمایا: كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ (صحیح مسلم' کتاب المسافرین' باب جامع صلاۃ اللیل ومن نام عنه أو مرض) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ جواب خلق عظیم کے مذکورہ دونوں مفہوموں پر حاوی ہے۔

(۳) یعنی جب حق واضح ہو جائے گا اور سارے پردے اٹھ جائیں گے۔ اور یہ قیامت کے دن ہو گا۔ بعض نے اسے جنگ بدر سے متعلق قرار دیا ہے۔

(۴) اطاعت سے مراد یہاں وہ مدارات ہے جس کا اظہار انسان اپنے ضمیر کے خلاف کرتا ہے۔ یعنی مشرکوں کی طرف جھکنے اور ان کی خاطر مدارات کی ضرورت نہیں ہے۔

(۵) یعنی وہ تو چاہتے ہیں کہ تو ان کے معبودوں کے بارے میں نرم رویہ اختیار کرے تو وہ بھی تیرے بارے میں نرم رویہ اختیار کریں لیکن باطل کے ساتھ مداہنت کا نتیجہ ہو گا کہ باطل پرست اپنی باطل پرستی کو چھوڑنے میں ڈھیلے ہو جائیں گے۔ اس لیے حق میں مداہنت حکمت تبلیغ اور کار نبوت کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ﴿۱۰﴾

اور تو کسی ایسے شخص کا بھی کہا نہ ماننا جو زیادہ قسمیں کھانے والا-(۱۰)

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيمٍ ﴿۱۱﴾

بے وقار' کمینہ' عیب گو' چغل خور-(۱۱)

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ﴿۱۲﴾

بھلائی سے روکنے والا حد سے بڑھ جانے والا گنہگار-(۱۲)

عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ﴿۱۳﴾

گردن کش پھر ساتھ ہی بے نسب ہو-[1] (۱۳)

أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ﴿۱۴﴾

اس کی سرکشی صرف اس لیے ہے کہ وہ مال والا اور بیٹوں والا ہے-[2] (۱۴)

إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۵﴾

جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہہ دیتا ہے کہ یہ تو اگلوں کے قصے ہیں-(۱۵)

سَنَسِمُهُ عَلَى الْخُرْطُومِ ﴿۱۶﴾

ہم بھی اس کی سونڈ (ناک) پر داغ دیں گے-[3] (۱۶)

إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ﴿۱۷﴾

بیشک ہم نے انہیں اسی طرح آزما لیا[4] جس طرح ہم نے باغ والوں کو[5] آزمایا تھا جبکہ انہوں نے

---

(۱) یہ ان کافروں کی اخلاقی پستیوں کا ذکر ہے جن کی خاطر پیغمبر کو مداہنت کرنے سے روکا جا رہا ہے- یہ صفات ذمیمہ کسی ایک شخص کی بیان کی گئی ہیں یا عام کافروں کی؟ پہلی بات کا مأخذ اگرچہ بعض روایتیں ہیں' مگر وہ غیر مستند ہیں- اس لیے مقصود عام یعنی ہر وہ شخص ہے جس میں مذکورہ صفات پائی جائیں- زَنِیمٌ' ولد الحرام یا مشہور و بدنام-

(۲) یعنی مذکورہ اخلاقی قباحتوں کا ارتکاب وہ اس لیے کرتا ہے کہ اللہ نے اسے مال اور اولاد کی نعمتوں سے نوازا ہے یعنی وہ شکر کے بجائے کفران نعمت کرتا ہے- بعض نے اسے وَلَا تُطِعْ کے متعلق قرار دیا ہے- یعنی جس شخص کے اندر یہ خرابیاں ہوں' اس کی بات صرف اس لیے مان لی جائے کہ وہ مال و اولاد رکھتا ہے؟

(۳) بعض کے نزدیک اس کا تعلق دنیا سے ہے' مثلاً کہا جاتا ہے کہ جنگ بدر میں ان کافروں کی ناکوں کو تلواروں کا نشانہ بنایا گیا- اور بعض کہتے ہیں کہ یہ قیامت والے دن جہنمیوں کی علامت ہو گی کہ ان کی ناکوں کو داغ دیا جائے گا- یا اس کا مطلب چہروں کی سیاہی ہے- جیسا کہ کافروں کے چہرے اس دن سیاہ ہوں گے- بعض کہتے ہیں کہ کافروں کا یہ حشر دنیا اور آخرت دونوں جگہ ممکن ہے-

(۴) مراد اہل مکہ ہیں- یعنی ہم نے ان کو مال و دولت سے نوازا' تاکہ وہ اللہ کا شکر کریں' نہ کہ کفر و تکبر- لیکن انہوں نے کفر و استکبار کا راستہ اختیار کیا تو ہم نے انہیں بھوک اور قحط کی آزمائش میں ڈال دیا' جس میں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کی وجہ سے کچھ عرصہ مبتلا رہے-

(۵) باغ والوں کا قصہ عربوں میں مشہور تھا- یہ باغ صَنْعَآء (یمن) سے دو فرسخ کے فاصلے پر تھا- اس کا مالک اس کی

قسمیں کھائیں کہ صبح ہوتے ہی اس باغ کے پھل اتار لیں گے۔[1] (۱۷)

وَلَا يَسْتَثْنُونَ ﴿١٨﴾

اور ان شاء اللہ نہ کہا۔(۱۸)

فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿١٩﴾

پس اس پر تیرے رب کی جانب سے ایک بلا چاروں طرف گھوم گئی اور یہ سو ہی رہے تھے۔[2] (۱۹)

فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ﴿٢٠﴾

پس وہ باغ ایسا ہو گیا جیسے کٹی ہوئی کھیتی۔[3] (۲۰)

فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ ﴿٢١﴾

اب صبح ہوتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کو آوازیں دیں۔(۲۱)

أَنِ اغْدُوا عَلَىٰ حَرْثِكُمْ إِن كُنتُمْ صَارِمِينَ ﴿٢٢﴾

کہ اگر تمہیں پھل اتارنے ہیں تو اپنی کھیتی پر سویرے ہی سویرے چل پڑو۔(۲۲)

فَانطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَافَتُونَ ﴿٢٣﴾

پھر یہ سب چپکے چپکے یہ باتیں کرتے ہوئے چلے۔[4] (۲۳)

أَن لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُم مِّسْكِينٌ ﴿٢٤﴾

کہ آج کے دن کوئی مسکین تمہارے پاس نہ آنے پائے۔[5] (۲۴)

پیداوار میں سے غربا و مساکین پر بھی خرچ کرتا تھا۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد جب اس کی اولاد اس کی وارث بنی تو انہوں نے کہا کہ ہمارے تو اپنے اخراجات ہی بمشکل پورے ہوتے ہیں، ہم اس کی آمدنی میں سے مساکین اور سائلین کو کس طرح دیں؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس باغ کو ہی تباہ کر دیا۔ کہتے ہیں یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے تھوڑے عرصے بعد ہی پیش آیا۔ (فتح القدیر) یہ ساری تفصیل تفسیری روایات کی ہے۔

(۱) صَرْمٌ کے معنی ہیں، پھل اور کھیتی کا کاٹنا' مُصْبِحِيْنَ حال ہے۔ یعنی صبح ہوتے ہی پھل اتار لیں گے اور پیداوار کاٹ لیں گے۔

(۲) بعض کہتے ہیں، راتوں رات اسے آگ لگ گئی' بعض کہتے ہیں' جبرائیل علیہ السلام نے آکر اسے تہس نہس کر دیا۔

(۳) یعنی جس طرح کھیتی کٹنے کے بعد خشک ہو جاتی ہے' اس طرح سارا باغ اجڑ گیا۔ بعض نے ترجمہ کیا ہے' سیاہ رات کی طرح ہو گیا۔ یعنی جل کر۔

(۴) یعنی باغ کی طرف جانے کے لیے ایک تو صبح صبح نکلے۔ دوسرے آہستہ آہستہ باتیں کرتے ہوئے گئے تاکہ کسی کو ان کے جانے کا علم نہ ہو۔

(۵) یعنی وہ ایک دوسرے کو کہتے رہے کہ آج کوئی باغ میں آکر ہم سے کچھ نہ مانگے جس طرح ہمارے باپ کے زمانے

وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ﴿۲۵﴾
اور لپکے ہوئے صبح صبح گئے۔ (سمجھ رہے تھے) کہ ہم قابو پا گئے۔[1] (۲۵)

فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَاۗلُّوْنَ ﴿۲۶﴾
جب انہوں نے باغ دیکھا[2] تو کہنے لگے یقیناً ہم راستہ[3] بھول گئے۔(۲۶)

بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۲۷﴾
نہیں نہیں بلکہ ہماری قسمت پھوٹ گئی۔[4] (۲۷)

قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۸﴾
ان سب میں جو بہتر تھا اس نے کہا کہ میں تم سے نہ کہتا تھا کہ تم اللہ کی پاکیزگی کیوں نہیں بیان کرتے؟[5] (۲۸)

قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾
تو سب کہنے لگے ہمارا رب پاک ہے بیشک ہم ہی ظالم تھے۔[6] (۲۹)

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۰﴾
پھر وہ ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے آپس میں ملامت کرنے لگے۔(۳۰)

قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿۳۱﴾
کہنے لگے ہائے افسوس! یقیناً ہم سرکش تھے۔(۳۱)

عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾
کیا عجب ہے کہ ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر بدلہ دے

میں آیا کرتے تھے اور اپنا حصہ لے جاتے تھے۔

(۱) حَرْدٍ کے ایک معنی تو قوت وشدت' کیے گئے ہیں' جس کو مترجم مرحوم نے "لپکے ہوئے" سے تعبیر کیا ہے۔ بعض نے غصہ اور حسد کیے ہیں' یعنی مساکین پر غیظ و غضب کا اظہار یا حسد کرتے ہوئے۔ قَادِرِیْنَ حال ہے یعنی اپنے معاملے کا انہوں نے اندازہ کرلیا' یا اپنے زعم میں انہوں نے اپنے باغ پر قدرت حاصل کرلی' یا مطلب ہے مساکین پر انہوں نے قابو پالیا۔

(۲) یعنی باغ والی جگہ کو راکھ کا ڈھیر یا اسے تباہ و برباد دیکھا۔

(۳) یعنی پہلے پہل تو ایک دوسرے کو کہا۔

(۴) پھر جب غور کیا تو جان گئے کہ یہ آفت زدہ اور تباہ شدہ باغ ہمارا ہی باغ ہے جسے اللہ نے ہمارے طرز عمل کی پاداش میں ایسا کر دیا ہے اور واقعی یہ ہماری حرماں نصیبی ہے۔

(۵) بعض نے تسبیح سے مراد یہاں إِنْ شَآءَ اللّٰهُ کہنا مراد لیا ہے۔

(۶) یعنی اب انہیں احساس ہوا کہ ہم نے اپنے باپ کے طرز عمل کے خلاف قدم اٹھا کر غلطی کا ارتکاب کیا ہے جس کی سزا اللہ نے ہمیں دی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معصیت کا عزم اور اس کے لیے ابتدائی اقدامات بھی' ارتکاب معصیت کی طرح جرم ہے جس پر مؤاخذہ ہو سکتا ہے' صرف وہ ارادہ معاف ہے جو وسوسے کی حد تک رہتا ہے۔

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۖ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

إِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۳۴﴾

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۵﴾

مَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾

اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾

إِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿۳۸﴾

اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۹﴾

دے ہم تو اب (۱) اپنے رب سے ہی آرزو رکھتے ہیں۔(۳۲)

یوں ہی آفت آتی ہے (۲) اور آخرت کی آفت بہت بڑی ہے۔ کاش انہیں سمجھ ہوتی۔ (۳) (۳۳)

پرہیزگاروں کے لیے ان کے رب کے پاس نعمتوں والی جنتیں ہیں۔(۳۴)

کیا ہم مسلمانوں کو مثل گناہ گاروں کے کر دیں گے۔ (۴) (۳۵)

تمہیں کیا ہو گیا' کیسے فیصلے کر رہے ہو؟(۳۶)

کیا تمہارے پاس کوئی کتاب (۵) ہے جس میں تم پڑھتے ہو؟(۳۷)

کہ اس میں تمہاری من مانی باتیں ہوں؟(۳۸)

یا تم نے ہم سے کچھ قسمیں لی ہیں؟ جو قیامت تک باقی رہیں کہ تمہارے لیے وہ سب ہے جو تم اپنی طرف سے مقرر کر لو۔ (۶) (۳۹)

---

(۱) کہتے ہیں کہ انہوں نے آپس میں عہد کیا کہ اب اگر اللہ نے ہمیں مال دیا تو اپنے باپ کی طرح اس میں سے غربا و مساکین کا حق بھی ادا کریں گے۔ اسی لیے ندامت اور توبہ کے ساتھ رب سے امیدیں بھی وابستہ کیں۔

(۲) یعنی اللہ کے حکم کی مخالفت اور اللہ کے دیے ہوئے مال میں بخل کرنے والوں کو ہم دنیا میں اسی طرح عذاب دیتے ہیں۔(اگر ہماری مشیت اس کی مقتضی ہو)

(۳) لیکن افسوس وہ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے' اس لیے پروا نہیں کرتے۔

(۴) مشرکین مکہ کہتے تھے کہ اگر قیامت ہوئی تو وہاں بھی ہم مسلمانوں سے بہتر ہی ہوں گے' جیسے دنیا میں ہم مسلمانوں سے زیادہ آسودہ حال ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا' یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہم مسلمانوں یعنی اپنے فرماں برداروں کو مجرموں یعنی نافرمانوں کی طرح کر دیں؟ مطلب ہے کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کے خلاف دونوں کو یکساں کر دے۔

(۵) جس میں یہ بات لکھی ہو جس کا تم دعویٰ کر رہے ہو' کہ وہاں بھی تمہارے لیے وہ کچھ ہو گا جسے تم پسند کرتے ہو؟

(۶) یا ہم نے تم سے پکا عہد کر رکھا ہے' جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے کہ تمہارے لیے وہی کچھ ہو گا جس کا تم اپنی

سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ﴿۴۰﴾

ان سے پوچھو تو کہ ان میں سے کون اس بات کا ذمہ دار (اور دعویدار) ہے؟[1] (۴۰)

اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۴۱﴾

کیا ان کے کوئی شریک ہیں؟ تو چاہیے کہ اپنے اپنے شریکوں کو لے آئیں اگر یہ سچے ہیں۔[2] (۴۱)

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۴۲﴾

جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور سجدے کے لیے بلائے جائیں گے تو (سجدہ) نہ کر سکیں گے۔[3] (۴۲)

خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۚ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾

نگاہیں نیچی ہوں گی اور ان پر ذلت و خواری چھا رہی ہو گی،[4] حالانکہ یہ سجدے کے لیے (اس وقت بھی) بلائے جاتے تھے جبکہ صحیح سالم تھے۔[5] (۴۳)

فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۭ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ

پس مجھے اور اس کلام کو جھٹلانے والے کو چھوڑ دے[6]

بابت فیصلہ کرو گے۔

(۱) کہ وہ قیامت والے دن ان کے لیے وہی کچھ فیصلہ کروائے گا جو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لیے فرمائے گا۔

(۲) یا جن کو انہوں نے شریک ٹھہرا رکھا ہے، وہ ان کی مدد کر کے ان کو اچھا مقام دلوا دیں گے؟ اگر ان کے شریک ایسے ہیں تو ان کو سامنے لائیں تاکہ ان کی صداقت واضح ہو۔

(۳) بعض نے کشف ساق سے مراد قیامت کے شدائد اور اس کی ہولناکیاں لی ہیں لیکن ایک صحیح حدیث میں اس کی تفسیر اس طرح بیان ہوئی ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی کھولے گا' (جس طرح کہ اس کی شان کے لائق ہے) تو ہر مومن مرد اور عورت اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں گے' البتہ وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جو دکھلاوے اور شہرت کے لیے سجدے کرتے تھے' وہ سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن ان کی ریڑھ کی ہڈی کے منکے' تختی کی طرح ایک ہڈی بن جائیں گے جس کی وجہ سے ان کے لیے جھکنا ناممکن ہو جائے گا (صحیح بخاری' تفسیر سورۂ ن والقلم) اللہ تعالیٰ کی یہ پنڈلی کس طرح کی ہوگی؟ اسے وہ کس طرح کھولے گا؟ اس کیفیت کو ہم جان سکتے ہیں نہ بیان کر سکتے ہیں۔ اس لیے جس طرح ہم بلا کیف و بلا تشبیہ اس کی آنکھوں' کان' ہاتھ وغیرہ پر ایمان رکھتے ہیں' اسی طرح پنڈلی کا ذکر بھی قرآن اور حدیث میں ہے' اس پر بلا کیف ایمان رکھنا ضروری ہے۔ یہی سلف اور محدثین کا مسلک ہے۔

(۴) یعنی دنیا کے برعکس ان کا معاملہ ہو گا' دنیا میں تکبر و عناد کی وجہ سے ان کی گردنیں اکڑی ہوتی تھیں۔

(۵) یعنی صحت مند اور توانا تھے' اللہ کی عبادت میں کوئی چیز ان کے لیے مانع نہیں تھی۔ لیکن دنیا میں اللہ کی عبادت سے یہ دور رہے۔

(۶) یعنی میں ہی ان سے نمٹ لوں گا' تو ان کی فکر نہ کر۔

سَنَسۡتَدۡرِجُهُمۡ مِّنۡ حَيۡثُ لَا يَعۡلَمُونَ ﴿۴۴﴾

ہم انہیں اس طرح آہستہ آہستہ کھینچیں گے کہ انہیں معلوم بھی نہ ہو گا۔[1] (۴۴)

وَأُمۡلِي لَهُمۡۚ إِنَّ كَيۡدِي مَتِينٌ ﴿۴۵﴾

اور میں انہیں ڈھیل دوں گا' بیشک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔[2] (۴۵)

أَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ أَجۡرًا فَهُم مِّن مَّغۡرَمٖ مُّثۡقَلُونَ ﴿۴۶﴾

کیا تو ان سے کوئی اجرت چاہتا ہے جس کے تاوان سے یہ دبے جاتے ہوں۔[3] (۴۶)

أَمۡ عِندَهُمُ ٱلۡغَيۡبُ فَهُمۡ يَكۡتُبُونَ ﴿۴۷﴾

یا کیا ان کے پاس علم غیب ہے جسے وہ لکھتے ہوں۔[4] (۴۷)

فَٱصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُن كَصَاحِبِ ٱلۡحُوتِ إِذۡ نَادَىٰ وَهُوَ مَكۡظُومٞ ﴿۴۸﴾

پس تو اپنے رب کے حکم کا صبر سے (انتظار کر)[5] اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جا جب[6] کہ اس نے غم کی حالت میں دعا کی۔[7] (۴۸)

---

(۱) یہ اسی استدراج (ڈھیل دینے) کا ذکر ہے جو قرآن میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے اور حدیث میں بھی وضاحت کی گئی ہے کہ نافرمانی کے باوجود' دنیوی مال و اسباب کی فراوانی' اللہ کا فضل نہیں ہے' اللہ کے قانون امہال کا نتیجہ ہے' پھر جب وہ گرفت کرنے پر آتا ہے تو کوئی بچانے والا نہیں ہوتا۔

(۲) یہ گزشتہ مضمون ہی کی تاکید ہے۔ كَيْدٌ خفیہ تدبیر اور چال کو کہتے ہیں' اچھے مقصد کے لیے ہو تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ اسے اردو زبان کا کید نہ سمجھا جائے جس میں ذم ہی کا مفہوم ہوتا ہے۔

(۳) یہ خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن توبیخ ان کو کی جارہی ہے جو آپ پر ایمان نہیں لا رہے تھے۔

(۴) یعنی کیا غیب کا علم ان کے پاس ہے' لوح محفوظ' ان کے تصرف میں ہے کہ اس میں سے جو بات چاہتے ہیں' نقل کر لیتے ہیں (وہاں سے لکھ لاتے ہیں) اس لیے یہ تیری اطاعت اختیار کرنے اور تجھ پر ایمان لانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں' ایسا نہیں ہے۔

(۵) فَاصْبِرْ میں فَاء تفریع کے لیے ہے۔ یعنی جب واقعہ ایسا نہیں ہے تو اے پیغمبر! تو فریضۂ رسالت ادا کرتا رہ اور ان مکذبین کے بارے میں اللہ کے فیصلے کا انتظار کر۔

(۶) جنہوں نے اپنی قوم کی روش تکذیب کو دیکھتے ہوئے عجلت سے کام لیا اور رب کے فیصلے کے بغیر ہی از خود اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے۔

(۷) جس کے نتیجے میں انہیں مچھلی کے پیٹ میں' جب کہ وہ غم واندوہ سے بھرے ہوئے تھے' اپنے رب کو مدد کے لیے پکارنا پڑا۔ جیسا کہ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَکَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾

اگر اسے اس کے رب کی نعمت نہ پالیتی تو یقیناً وہ برے حالوں میں چٹیل میدان میں ڈال دیا جاتا۔[۱] (۴۹)

فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۵۰﴾

اسے اس کے رب نے پھر نوازا[۲] اور اسے نیک کاروں میں کر دیا۔[۳] (۵۰)

وَاِنْ یَّکَادُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَکَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّکْرَ وَیَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾

اور قریب ہے کہ کافر اپنی تیز نگاہوں سے آپ کو پھسلا دیں،[۴] جب کبھی قرآن سنتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں یہ تو ضرور دیوانہ ہے۔[۵] (۵۱)

وَمَا هُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۵۲﴾

در حقیقت یہ (قرآن) تو تمام جہان والوں کے لیے سراسر

---

(۱) یعنی اللہ تعالیٰ اگر انہیں توبہ و مناجات کی توفیق نہ دیتا اور ان کی دعا قبول نہ فرماتا تو انہیں ساحل سمندر کے بجائے' جہاں ان کے سائے اور خوراک کے لیے بیل دار درخت اگا دیا گیا' کسی بنجر زمین میں پھینک دیا جاتا اور عنداللہ ان کی حیثیت بھی مذموم رہتی' جب کہ قبولیت دعا کے بعد وہ محمود ہو گئے۔

(۲) اس کا مطلب ہے کہ انہیں توانا و تندرست کرنے کے بعد دوبارہ رسالت سے نواز کر انہیں اپنی قوم کی طرف بھیجا گیا۔ جیسا کہ سورہ صافات' ۱۴۶ سے بھی واضح ہے۔

(۳) اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں"۔ (صحیح مسلم' کتاب الفضائل باب فی ذکر یونس.....) مزید دیکھئے: صفحہ ۱۰۹۰ حاشیہ نمبر ۱

(۴) یعنی اگر تجھے اللہ کی حمایت و حفاظت نہ ہوتی تو ان کفار کی حاسدانہ نظروں سے تو نظر بد کا شکار ہو جاتا۔ یعنی ان کی نظر تجھے لگ جاتی۔ امام ابن کثیر نے اس کا یہی مفہوم بیان کیا ہے' مزید لکھتے ہیں: "یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نظر کا لگ جانا اور اس کا دوسروں پر' اللہ کے حکم سے' اثر انداز ہونا' حق ہے۔ جیسا کہ متعدد احادیث سے بھی ثابت ہے' چنانچہ احادیث میں اس سے بچنے کے لیے دعائیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ اور یہ بھی تاکید کی گئی ہے کہ جب تمہیں کوئی چیز اچھی لگے تو ماشاء اللہ یا بارک اللہ' کہا کرو۔ تاکہ اسے نظر نہ لگے' اسی طرح کسی کو کسی کی نظر لگ جائے تو فرمایا' اسے غسل کروا کے اس کا پانی اس شخص پر ڈالا جائے جس کو اس کی نظر لگی ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے تفسیر ابن کثیر اور کتب حدیث) بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ یہ تجھے تبلیغ رسالت سے پھیر دیتے۔

(۵) یعنی حسد کے طور پر بھی اور اس غرض سے بھی کہ لوگ اس قرآن سے متأثر نہ ہوں' بلکہ اس سے دور ہی رہیں۔ یعنی آنکھوں کے ذریعے سے بھی یہ کفار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے اور زبانوں سے بھی آپ کو ایذا پہنچاتے اور آپ کے دل کو مجروح کرتے۔